فکر و نظر........... اسلام آباد　　　　جلد: ۴۸　　شمارہ: ۴

ٹیکس چوری (Tax Evasion) اسلامی تناظر میں

زاہد محمود☆

Abstract

Taxation is one of the main sources to finance the budget deficit. Now a days tax evasion is a very common social evil. In this study it has been discussed whether an Islamic State can levy taxes besides the zakat, sadaqat and other voluntary charities? The paper also explores whether the right of the Islamic state to levy taxes is unconditional? If the Islamic State imposes the taxes and its citizen evade to pay them, then whether tax evasion is only a crime or a sin as well? This is the main focal point of this article. To fulfill the basic needs of the poor and destitute is the obligatory duty of the prosperous. This study concludes that if just and fair taxes are imposed only to fulfill the basic needs of the poor, and not for the extravagancies of the rulers, then tax evasion will not only be a crime but also a sin.

۱۔ تعارف:

ایک اسلامی ریاست ملکی ترقی و خوشحالی، رفاہ عامہ، ملک کے فقراء، مساکین و محروم المعیشت افراد کی، رنگ ونسل و مذہب سے قطع نظر، بنیادی ضروریات کو پورا کرنے، ان کی اعانت کرنے، مذہب کی ترقی و ترویج، عوام کو روزگار فراہم کرنے اور ملکی دفاع کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام کے معاشی نظام کی اساس و استحکام کے لیے سرکاری خزانہ کا وجود ضروری ہے۔ ملکی ترقی و خوشحالی کے لیے اسلامی ریاست کو بڑے بڑے منصوبے شروع کرنے پڑتے ہیں ان منصوبوں کی تمویل اور اسلامی معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لیے حکومت کو وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست یہ وسائل

☆ لیکچرر (اکنامکس)، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

مختلف مدّات، زکوٰۃ و صدقات، ضرائب(Taxes) و عشور (Custom/Import Duties) اور ملکی و غیر ملکی قرضوں وغیرہ سے حاصل کرتی ہے۔ غیر مسلم ممالک، بالخصوص یہود و ہنود و نصاریٰ، کا اصل مقصد کسی غریب، بالخصوص اسلامی، ملک کی مالی اعانت کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان سے مالی و غیر مالی دونوں صورتوں میں فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ مالی فائدہ اس قرض پر سود در سود وصول کرنے کی صورت میں جبکہ غیر مالی فائدہ اپنی من مانی شرائط، بالخصوص مذہبی، معاشی اور آزادی سے متعلق، منوا کر، جیسے موجودہ صورتحال میں کیری لوگر بل اسلامی جمہوریہ پاکستان کی مالی اعانت کے لیے ہے۔ اس صورت میں بیرونی قرضوں کے سبب نہ صرف ملکی معاشی ترقی رک جاتی ہے بلکہ ملکی سالمیت، معاشی و سیاسی اور معاشرتی و مذہبی لحاظ سے ملک کھوکھلا بھی ہو جاتا ہے۔ ملکی باشندے اپنے ملک میں رہنے کے باوجود آزادی سے نہیں رہ سکتے۔ یہ حکومتیں کٹھ پتلی کی طرح ہوتی ہیں کیونکہ اقتدار میں ہونے کے باوجود یہ اپنی مرضی سے کوئی ایسی حکمت عملی نہیں بنا سکتیں جو ان کے مذہب اور معاشی ترقی کے موافق ہوں۔ ان اسلامی ممالک پر اصل حکمرانی اور حکمت عملیاں وہ غیر اسلامی طاقتیں بنا رہی ہوتی ہیں جن سے مالی اعانت اور بیرونی قرضے حاصل کیے جاتے ہیں۔ اس لیے بیرونی قرضوں اور مالی اعانت سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے، مالی سال ۲۰۰۸۔۲۰۰۹ میں، بیرونی قرضوں اور ان پر سودی ادائیگیوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

> کل بیرونی قرضہ کی مالیت ۴۹ بلین ڈالرتھی جو کہ خام قومی پیداوار کا ۳۰ فی صد ہے۔ ان میں سے ۶۵ء۳ بلین ڈالر بیرونی قرضوں کے خدمتانہ (Debt-Servicing) کی صورت میں ادا کئے گئے۔ ان بیرونی قرضوں پر۴۸۱ء۶۹۳ ملین ڈالر سودی ادائیگیوں کی صورت میں ۵۵۱ بلین روپے مالیت کی سودی ادائیگیاں اندرونی قرضوں پر ادا کی گئیں۔

دراصل، اسلامی ریاست کی اخراجات برداشت کرنے(Expenditure-incurring) کی سرگرمیوں کا معاشی مقصد یہ ہے کہ بہتات دولت (surplus of wealth) کو گردش میں لانا اور معاشرے میں تمام طبقات، بالخصوص فقراء و مساکین کے درمیان دولت کی منصفانہ و مساویانہ تقسیم کو یقینی بنانا ہے۔ اس لیے، فطرتاً، اسلامی ریاست میں نظام ٹیکس فقراء کی نگہداشت اور فلاح و بہبود کے اصول پر استوار کیا جاناچاہئے۔ اس بنیادی اصول کو دیکھا جائے تو جو مروجہ نظام ٹیکس ہے وہ بالواسطہ (Indirect)اور بلاواسطہ(Direct) ٹیکس پر مشتمل ہے۔ بلاواسطہ ٹیکس وہ ہیں جن کا بوجھ دوسروں پر منتقل نہیں کیا جا سکتا اور بالواسطہ ٹیکس وہ ہیں جن کا بوجھ دوسروں پر منتقل کیا جا سکتا ہے اور بلحاظ خاصیت مؤخرالذکر بنیادی اشیاء ضروریات پر عائد کئے جاتے ہیں اور تنزیلی(Regressive)(۱)

فطرت کے ہوتے ہیں جن کا زیادہ حصہ غرباء کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بہت ہی ابتدائی معاشی تجزیے سے یہ بات بڑی آسانی سے ثابت کی جا سکتی ہے کہ ایک مخصوص محصولاتی آمدنی(Revenue Tax) بالواسطہ اور بلاواسطہ ٹیکسوں سے یکساں طور پر حاصل کی جا سکتی ہے لیکن اگر یہ رقم بلاواسطہ ٹیکس سے حاصل کی جائے تو صارفین (فقراء) کی فلاح اور معاشی حالت بہتر رہے گی اور ان کی سطح اطمینان زیادہ کم نہیں ہوتی اس لیے معاشرے کے اہل ثروت اور اغنیاء کے فاضل اموال پر فقراء و مساکین اور محروم المعیشت افراد کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بقدر کفایت ٹیکس عائد کئے جائیں۔ یہ ٹیکس اہل ثروت سے وصول کر کے ضرورت مند افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خرچ کئے جائیں تاکہ امیر و غریب کے درمیان فرق و تفاوت کو کم کیا جائے اور دولت کی منصفانہ اور مساویانہ تقسیم کو یقینی بنایا جا سکے۔ دین اسلام اور پوری دنیا میں بالواسطہ ٹیکس کو اچھا نہیں جانا جاتا کیونکہ ان کا بہت زیادہ بوجھ غرباء کو برداشت کرنا پڑتا ہے جس کے باعث ان کی معاشی حالت بدتر ہو جاتی ہے جبکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں موجودہ صورت حال کچھ یوں ہے:

> حکومت پاکستان کے کل حاصلات/آمدن (Revenue) ۱۶۲۲،۷۷۶ ملین روپے ہے۔ جن میں سے ۱۱۵۹،۰۰۰ ملین روپے محصولاتی آمدن(Tax Revenue)سے حاصل کئے جاتے ہیں جبکہ اس محصولاتی آمدن میں سے ۷۵۴،۰۰۰ ملین روپے بالواسطہ ٹیکس سے جو کہ کل محصولاتی آمدن کا ۶۵ فی صد، تقریباً ۲/۳، ہے۔ اور ۴۰۵،۰۰۰ ملین روپے بلاواسطہ ٹیکسوں سے حاصل کیے جاتے ہیں جو کہ کل محصولاتی آمدن کا ۳۵ فی صد تقریباً ۱/۳ ہے۔(۲)

اس طرح اشیاء ضروریات، ذرائع رسل و رسائل اور یوٹیلیٹیز(Utility) بجلی، گیس وغیرہ اور تیل(Oil) یعنی پڑولیم کی قیمتوں پر بالواسطہ ٹیکس عائد کرکے غرباء سے وصول کیے جاتے ہیں۔ ذرائع رسل و رسائل، یوٹیلیٹی اور آئل ایسے عاملین پیدائش ہیں جن کی قیمتیں بڑھانے، ٹیکس عائد کر کے، تمام اشیاء، بالخصوص اشیاء ضروریات، کی قیمتیں گراں قدر بڑھ جاتی ہیں اور اس کا بوجھ غریب طبقے کو افراط زر کی صورت میں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح بجائے اس کے کہ حکومت اور اغنیاء، فقراء اور غریب طبقہ کی کفالت کریں غریب طبقہ کو حکومت اور اغنیاء کی کفالت کرنا پڑ رہی ہے۔ اور دولت کی تقسیم مزید غیر منصفانہ و غیر مساویانہ ہوتی جا رہی ہے اور غریب اور امیر میں تفاوت بڑھتا جا رہا ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ اور غیر مساویانہ تقسیم افراط زر کے عوامل، یعنی اضافۂ رسد زر و گردش زر اور اشیاء کی کمیابی، میں سے ایک ہے جس کے سبب پاکستان میں افراط زر بڑھتا جا رہا ہے اور ملکی معاشی حالت بدتر ہوتی جا رہی ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں نظام ٹیکس بہت ہی لچکدار اور متحرک/حرکی (Elastic & Dynamic)

تھا۔ جس کے سبب ہر شخص خوشی سے ٹیکس ادا کرتا اور کوئی ٹیکس چوری(Tax Evasion) نہیں کرتا تھا۔ جبکہ موجودہ دور میں ٹیکس چوری کا مسئلہ بہت عام ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی معاشرہ کو اسلامی تعلیمات اس طرح سے دی جائیں کہ وہ ٹیکس ادا کرنے کو اپنا مذہبی و اخلاقی ذمہ داری و فریضہ جانے اور یہی زیر بحث موضوع کا بنیادی مقصد ہے اور یہ بحث کی گئی ہے کہ ٹیکس چوری صرف ایک جرم ہے یا گناہ بھی ہے۔اس طرح تقسیم دولت کو منصفانہ بنا کر افراط زر پر قابو پایا جا سکتا ہے اور معاشی حالت بھی بہتر بنانا ممکن ہے۔

زیر بحث موضوع کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ جز نمبر ۲ میں اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن کا اختصار سے ذکر کیا گیا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ کیا اسلامی ادوار میں ٹیکس اسلامی ریاست کا ذریعہ آمدن رہا ہے؟ جز نمبر ۳ میں اس امر کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کیا اسلام میں زکوٰۃ و صدقات کے ساتھ ٹیکس عائد کرنا جائز ہے؟ اگر ایسا کرنا جائز ہے تو کن حدود و قیود اور حالات میں۔ جز نمبر ۴ میں بنیادی طور پر اس نکتے کو دیکھا گیا ہے کہ اگر اولی الامر اغنیاء و اہل ثروت پر ٹیکس عائد کرے تو کیا اس کا یہ حکم اسلامی نکتۂ نظر سے جائز ہے؟اور اگر اولی الامر زکوٰۃ و صدقات کے ساتھ اغنیاء و اہل ثروت پر ٹیکس عائد کرتا ہے تواس کی اطاعت کن حالات میں واجب ہے؟ جس طرح بعض مخصوص حالات و واقعات اور حدود و قیود میں زکوٰۃ و صدقات کے ساتھ اغنیاء و اہل ثروت پر ٹیکس کی ادائیگی کا شرعی وجوب ثابت ہوتا ہے اسی طرح کیا ٹیکس کا ا دا کردینا اغنیاء کو ادائیگی زکوٰۃ سے مستغنی قرار دیتا ہے۔ اس شبہ کا ازالہ جز نمبر ۵ میں کیا گیا ہے۔ آخر میں جز نمبر ۶ میں زیر مطالعہ موضوع کا حاصل بحث (Conclusion) اور تجاویز دی گئی ہیں۔

۲۔ اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن:

ملکی ترقی و خوشحالی، عوام کی فلاح و بہبود اورملک میں رہنے والے تمام شہریوں، بلا امتیاز رنگ و نسل یا مذہب، کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنااسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ دینی، تعلیمی اور عسکری (فوجی) خدمات دینے والے حضرات کو انفرادی و اجتماعی وظائف دینے، فقراء و مساکین ومحروم المعیشت اور ان تمام افراد (مصارف ثمانیہ) کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وظائف دینا جوکسی بھی سبب کسب معیشت سے معذور ہوں‌اور شعبہ ہائے، یعنی قضاۃ و حکومتی اراکین، کو وظائف دینا بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ قضاۃ و عمال حکومت کے وظائف مقرر کرنے میں اس بات کا خیال رکھا جانا چاہئے کہ وہ اس وظیفہ سے اپنے اہل و عیال کی بخوبی کفالت کر پائیں گے اور رشوت لینے

پر مجبور نہ ہوں گے۔اسی طرح ملکی ترقی و خوشحالی اور ملکی پیداوار بڑھانے اور لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کے لیے حکومت کو بڑے بڑے منصوبے چلانا پڑتے ہیں۔ مذکورہ بالا حکومتی مصارف، بڑے بڑے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے اور دیگر حکومتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے اسلامی ریاست کو وسائل کی ضرورت ہوتی ہے جو مندرجہ ذیل مدّات سے حاصل ہوتے ہیں اور سرکاری خزانہ میں جمع کئے جاتے ہیں۔

(۲ء۱) زکوٰۃ، صدقات و عشر۔

زکوٰۃ و عشر میں صرف اتنا فرق ہے کہ عشر مسلمانوں کی زرعی پیداوار پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"**واتوا حقه' يوم حصاده**"(۳)

اور تم ادا کرو(پیداوار) زمین کا حق اس کی کٹائی کے وقت۔

جبکہ زکوٰۃ صاحب نصاب مسلمانوں کی زرعی پیداوار کے علاوہ دیگر اموال یعنی نقدی اموال، مال تجارت اور بہائم کے ریوڑ پر مکمل سال گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ مقدار ہے۔ زرعی و غیر زرعی اموال پر زکوٰۃ ادا کرنا ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"**واقيموا الصلاة واتوا الزكٰوة**"(۴)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

اور صدقات بغیر کسی شرط کے، یعنی نہ حولان حول اور نہ ہی صاحب نصاب، غیر مقررہ اور غیر واجبہ مقدار ہے جو فقراء و مساکین اور محروم المعیشت افراد کی فلاح اور اعانت کے لیے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"**و فی اموالهم حق للسائل والمحروم**"(۵)

اور ان کے اموال میں حصہ ہے فقراء و مساکین کے لیے۔

(۲ء۲) جزیۃ وخراج۔

کفار و ذمی کی جو اراضی مسلمانوں کے قبضے میں آ جائیں ان پر خلیفہ کی طرف سے مقرر کیے جانے والا محصول خراج کہلاتا ہے۔ جبکہ جزیہ اسلامی اقتدار کو تسلیم کرنے والے صرف عاقل بالغ مرد ذمیوں پر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے بدلے خلیفہ کی طرف سے مقررہ مقدار

ہے جو وہ سالانہ ادا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"حتی یعطعواالجزیة عن یدوھم صاغرون"(۶)

یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ذلیل ہو کر۔

(۲ء۳) غنیمت (خمس) اور فئے۔

جو مال کفار و مشرکین سے جنگ کر کے جبراً حاصل کیا جائے اسے غنیمت کہتے ہیں اور اس کا پانچواں حصہ (خمس) الگ کر کے بیت المال میں رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"واعلموا انما غنمتم من شئی فان للّٰہ خمسه وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل "(۷)

اور معلوم رہے کہ تم کو کسی شیئ سے بھی مال غنیمت ملے سو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے اور اس کے اقرباء کے لیے اور یتیموں و مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔

جبکہ کفار و مشرکین سے بغیر جنگ کے جو مال حاصل ہو اسے فئے کہتے ہیں۔ رب کریم ارشاد فرماتے ہیں:

" وما افاء اللّٰہ علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولارکاب ولکن اللّٰہ یسلط رسله علیٰ من یشاء"(۸)

اور جو (مال) اللہ نے ان سے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ لگوا دیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ اور لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے۔

(۲ء۴) وقف، اموال فاضلہ اور کراء الارض/ اجارہ۔

سرکاری اراضی سے حاصل ہونے والا لگان یا اجرت کراء الارض کہلاتا ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے بنو متعان کے ایک شخص ہلال کو ایک وادی جس کا نام "سلبہ" تھا شہد کی مکھیاں پالنے کے لیے اس شرط پر دی تھی کہ وہ شہد کا عشر بیت المال میں جمع کرائے گا۔

سرکاری معدنیات اور متفرق آمدنی اموال فاضلہ کہلاتی ہے جبکہ جو املاک ذاتی ملکیت سے نکال کر فی سبیل اللہ دے دی جائیں وہ وقف کہلاتی ہیں۔

(۲ء۵) عشور (Custom/Import Duties) اور ضرائب (Taxes)

ایک ملک میں اشیاء و خدمات کی درآمدات و برآمدات پر محصول کو عشور کہتے ہیں۔ چونکہ روم و ایران کی سلطنتیں مسلمانوں سے اموال تجارت پر عشور لیتی تھیں تو حضرت عمرؓ نے تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ یہ عشور عائد کیا۔ بین الممالک مستأمن حربی، ذمی یا مسلمان تاجروں کے اموال تجارت کی درآمد و برآمد کی مقدار خاص (نصاب) (۹) پر سالانہ (۱۰) مختلف شرح (۱۱) سے عائد شدہ محصول رڈیوٹی کو عشور کہتے ہیں۔ اور اس سے کم مقدار پر کوئی محصول رعشور نہ ہوتا۔

جبکہ ہنگامی یا نامساعد حالات میں رفاہ عامہ، ملکی پیداوار بڑھانے اور لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کے لیے حکومت اہل ثروت (۱۲) ملکی شہریوں کے فاضل اموال(۱۳) پر زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ جو رقم عدل و انصاف سے بقدر کفایت عائد کرتی ہے اس کو ضریبۃ کہتے ہیں اور ضرائب جمع ہے ضریبۃ کی۔

۳۔ کیا اسلام میں زکوٰۃ و صدقات کے ساتھ ٹیکس عائد کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کن حالات و واقعات اور حدود و قیود میں؟

جب مسلمان تاجر روم و ایران کی سرحدوں سے مال تجارت لے کر گزرتے تو وہ ان پر مقررہ محصول(ڈیوٹی) عائد کرتے اور یہ دوران سال جتنی مرتبہ گزرتے ہر دفعہ اسی قدر محصول ادا کرنا پڑتا۔ جبکہ غیر مسلم تاجر جب مال تجارت لے کر اسلامی ممالک آتے تو ان پر کوئی محصول نہ ہوتا جس کے سبب مسلمان تاجروں کو اس طرح کا تجارتی خسارہ ہوتا اور غیر مسلم تاجر اس طرح کے خسارے سے محفوظ تھے۔ چنانچہ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے تفصیل سے سارا معاملہ سنا اور صوبوں کے عاملین (گورنروں) کو تحریر فرمایا کہ تم بھی اموال تجارت پر اس طرح کا ٹیکس لیا کرو اور نہ صرف غیر مسلموں سے لو بلکہ مسلمانوں اور ذمیوں سے بھی لو جو دارالحرب اور دار الاسلام کے درمیان تجارت کرتے ہیں۔ لیکن یہ دوران سال صرف ایک مرتبہ مال تجارت کی مخصوص مقدار (نصاب) پر مختلف مقدار شرح سے لیا کرو۔ اور اگر مال تجارت اس مقدار مخصوصہ سے کم ہو تو کوئی محصول نہیں۔ اس طرح اسلامی دور حکومت میں حضرت عمرؓ نے پہلی مرتبہ عشور عائد کیا۔ جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ غیر مسلم حکومتیں مسلمانوں سے عشور حاصل کرتی تھیں تو اس کے جواب میں آپؓ نے بھی عشور عائد کیا جو کہ مسلمان، ذمی یا حربی پر دوران سال ایک مرتبہ مال تجارت کی مخصوص مقدار پر مختلف شرح سے وصول کیا جاتا تھا۔(۱۴)

حضرت علیؓ ابن ابی طالب فرماتے ہیں:

''ان اللّٰہ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراء ھم فان جاعوا اوعروا و جھدوا فبمنع الاغنیاء و حق علی اللّٰہ ان یحاسبھم یوم القیامۃ، و یعذبھم علیہ''۔(۱۵)

بے شک اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اہل ثروت پر ان کے اموال میں اس قدر حق جو ان کے فقراء کو کافی ہو۔ اگر وہ بھوکے ہوں، ننگے ہوں اور خستہ حال ہوں تو اس کا یہی سبب ہوتا ہے کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں مانع ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کا محاسبہ کرے گا اور اس پر ان کو عذاب دے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں

'' فی مالک حق سوی الزکوٰۃ'' (۱۶)

تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں (جو ٹیکس اور صدقات نافلہ کی صورت میں ادا کئے جا سکتے ہیں)۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک قوم کے افراد آئے جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھے۔ گلے میں چمڑے کا صوف یا عباء پہنے ہوئے تھے۔تلواریں لٹکائی ہوئی تھیں اور ان میں زیادہ تر قبیلہ مضر سے تھے ان کے چہروں سے فاقہ کی حالت بظاہر تھی یہ دیکھ کر نبی کریم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے اور پھر باہر آئے اور صحابہ کرامؓ کے سامنے سورۃ النساء اور سورۃ الحشر کی آیات پڑھ کر سنائیں۔

یأیھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیرا ونسآء. و اتقوا اللہ الذی تسآء لون بہ و الارحام. ان اللہ کان علیکم رقیبا.(۱۷)

یأیھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و لتنظر نفس ما قدمت لغد. (۱۸)

جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو وہ امیر و کبیر ہوں یا فقیر و صغیر ایک انسان آدم سے پیدافرمایا اور اس لیے سب ہی بنی آدم ہیں اور یہ کہ انسان کو خدا سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کل قیامت کے دن خدا کے سامنے کیا لے جار ہا ہے۔(۱۹)

اسی طرح علامہ ابن حزمؒ فقراء کی اعانت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر بیت المال کا خزانہ فقراء اور اہل ضرورت کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہو تو خلیفہ ''اہل ثروت'' پر مزید ٹیکس عائد کر کے ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور اگر اہل ثروت اس سے انکار

کریں تو جبراً ان سے وصول کر سکتا ہے

"ویجبرھم سلطان علیٰ ذٰلک" (۲۰)

اور خلیفہ اس کے لیے ان پر جبر کر سکتا ہے۔

اس طرح وہ مندرجہ ذیل آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ آیت اپنی عمومیت کے ساتھ اس " ٹیکس" کی دلیل بن سکتی ہے۔

"وآت ذاالقربیٰ حقہ' والمسکین وابن السبیل "(۲۱)

اور اقرباء اور مساکین اور مسافروں کے جو حق تم پر واجب ہیں وہ ادا کرو۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ "ہر ملک کے اہل ثروت پر ان کے فقراء کی بنیادی ضروریات پورا کرنا فرض ہے"(۲۲)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے غزوہ یرموک میں اسی قسم کی اعانت کی ترغیب دی تھی جس پر صحابہ کرامؓ نے پر زور طریقہ سے لبیک کہا۔

اسی طرح امام شاطبیؒ مزید محاصل عائد کرنے کے جواز پر فرماتے ہیں کہ "اگر ہم یہ مان لیں کہ ایک ایسے امام کو جس کی اطاعت واجب ہے، وسیع و عریض ملک کے دفاع اور سرحدوں کی ناکہ بندی کے لیے لشکر کی ضرورت ہے اور بیت المال خالی ہے اور فوج کی ضروریات اتنی زیادہ ہیں کہ موجود مال اس کے لیے ناکافی ہے تو امام کو اس بات کا اختیار ہے بشرطیکہ وہ عادل ہو کہ مالدار لوگوں پر اتنے ٹیکس عائد کرے جس کی آمدن اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو، تاآنکہ بیت المال میں مال آجائے، سربراہ مملکت کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ محاصل پیداوار اور پھلوں پر عائد کیے جائیں تاکہ کسی مخصوص طبقہ پر محاصل عائد کرنے کے نتیجے میں یہ لوگ متنفر نہ ہو جائیں اور اس طرح یہ محاصل بہت سے لوگوں سے تھوڑے تھوڑے لینے کے اصول پر وصول کیے جائیں تاکہ کسی پر بھی ناقابل برداشت بار نہ پڑے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔(۲۳)

حضرت عمرؓ نے اپنی وصیت میں فرمایا

"میں اپنے بعد ہونے والے خلیفۂ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ دوسرے شہروں اور قصبوں کے باشندوں سے ان کی رضامندی کے ساتھ صرف ان کے فاضل اموال وصول کرنے اور اہل بادیہ کے متعلق اسے وصیت کرتا ہوں کہ ان کے فاضل اموال کا ایک حصہ لے کر انہی کے فقراء پر تقسیم کر دیا کرے اور ان پر کبھی ان کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہ

ڈالا جائے۔(۲۴)

حضرت علیؓ نے قبیلہ ثقیف کے ایک شخص کو عبکراء کا عامل مقرر کرتے ہوئے اپنی وصیت میں فرمایا۔

''خراج وصول کرنے کی خاطر کسی کا سامان نیلام نہ کرنا کیونکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان سے صرف ان کی ضروریات سے فاضل اموال وصول کریں۔(۲۵)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''**قل العفو**''(۲۶) ترجمہ:فرما دیجئے جو کچھ فاضل / اضافی ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک عامل (جو خراج نہ ادا کرنے والوں کو سزا دیتا تھا) کو خط تحریر فرماتے ہوئے وصیت فرمائی کہ:

''میرا یہ خط پانے کے بعد یہ طریقہ اختیار کرو کہ جو شخص اپنے ذمہ واجب الادا رقم آسانی سے ادا کرے اس سے لے اور جو نہ دے سکے اس سے حلف (۲۷) لے کر اسے چھوڑ دو۔ خدا کی قسم یہ بات کہ لوگ اپنے جرائم کا بوجھ اٹھائے خدا کے سامنے پیش ہوں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان کو عذاب دینے کا جرم لیے ہوئے اس کے سامنے حاضر ہوں۔(۲۸)

حضرت عمر ابن عبدا لعزیزؒ نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ:

اگر لوگوں کا دستور یہ ہو کہ جب انہیں کوئی کام گراں بار معلوم ہو تو اسے چھوڑ دیں تو نہ دین قائم ہو سکے گا نہ دنیا کا کام چل سکے گا۔(۲۹)

اگر اغنیاء فقراء کی اعانت کرتے ہیں تو یہ ان کا فقراء پر احسان نہیں بلکہ ان کا حق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

'' **وفی اموالھم حق للسائل والمحروم**''

اور ان کے اموال میں فقراء و مساکین کے لیے حق ہے۔(۳۰)

ٹیکس کے اصولو ں میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ٹیکس صرف اور صرف فقراء و مساکین کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے اور ملکی ترقی، مذہبی و معاشی استحکام اور رفاہی سرگرمیوں کے لیے ہوں نہ کہ حکومت و حکومتی اراکین کی عیش وعشرت اور غیر رفاہی و غیر فلاحی سرگرمیوں کے لیے ہوں۔

۲۔ چونکہ بالواسطہ ٹیکس عموماً اشیاء ضروریات پر عائد کیے جاتے ہیں اور اکثر تنزیلی/رجعت پذیر (Regressive) خصوصیت کے ہوتے ہیں جس کے سبب قیمتوں میں اضافے کی صورت میں

غریب طبقہ بہت زیادہ متأثر ہوتا ہے۔ جبکہ بلاواسطہ ٹیکس کا ڈھانچہ/ساخت (Structure) متزائد/ترقی پذیر (progressive)(۳۱) ہے بلاواسطہ متزائد/افزائشی ٹیکس کے ذریعے مکمل روزگار کا مقصد بھی حاصل کیا جا سکتاہے۔ اغنیاء و اہل ثروت سے فاضل اموال لے کر غرباء و فقراء میں تقسیم کرنے سے اس لیے اسلامی نظام ٹیکس کو لازماً یقین دہانی کرانی چاہیے کہ صرف اغنیاء و اہل ثروت ہی ٹیکس کا بڑا حصہ برداشت کریں نہ کہ غرباء پر ان ٹیکسوں کا بوجھ پڑے جن کی معاشی حالت پہلے ہی پست ہوتی ہے، مزید بدتر ہو جائے۔

۳۔ ٹیکس بقدر کفایت ہو۔ یعنی اتنی مقدار میں ہو جو فقراء و مساکین اور محروم المعیشت افراد کے بنیادی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لیے کافی ہوں۔

۴۔ ٹیکس کا نظام ایسا نہ ہو کہ معاشی ترقی کو متأثر کرے۔ یعنی مقدار میں اتنے زیادہ نہ ہوں اور نظام اتنا پیچیدہ نہ ہو کہ لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ انہیں کاروبار کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں جس کے سبب ملک میں عمل پیدائش متأثر ہو اور معاشی ترقی پر اثر پڑے۔

۵۔ ٹیکس کا نظام لچکدار و متحرک/حرکی ہو یعنی دولت، جائیداد یا آمدن کے بدلنے سے (بلاواسطہ) اور اشیاء کی قیمت کے بدلنے سے (بالواسطہ) ٹیکس کی مقدار خود بخود بدل جائے۔ یعنی ٹیکس کا نظام فی صدی تناسب سے ہونا چاہیے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ:

اگر فقراء و مساکین بنیادی معاشی ضروریات کے لیے سرکاری خزانہ میں زکوٰۃ و صدقات وغیرہ ناکافی ہوں تو اسلامی ریاست دفاع، معاشی ترقی و خوشحالی، عوام کی رفاہیت اور محروم المعیشت کی انفرادی و اجتماعی بنیادی ضروریات کے لیے زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کے علاوہ ''عادل حکمران ملک کے اغنیاء کے فاضل اموال پر عدل و انصاف کے ساتھ بقدر کفایت ٹیکس عائد کر سکتا ہے جو وہ رضامندی و آسانی سے ادا کر سکیں اور ان پر نا قابل برداشت نہ ہو'' اور یہ عدل و انصاف کے خلاف اور حکومت و حکومتی اراکین کی عیاشی اور ایسی سرگرمیوں کے لیے نہ ہوں جن کا رفاہ عامہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔

۴۔ اطاعت اولی الامر قرآن و سنت کی روشنی میں

اسلامی معاشرہ میں شریعت کے نفاذ، لوگوں کے اختلافات ختم کرانے اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں عدل و انصاف قائم کرنے وغیرہ کے لیے خلیفہ یا اولی الامر کا مقرر کرنا انتہائی ضروری ہے۔ فقہاء اللہ

تعالیٰ کے اس فرمان:''**انی جاعل فی الارض خلیفه**''(۳۲) ترجمہ:بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، سے استدلال کرتے ہیں کہ ''خلیفہ یا اولی الامر کا مقرر کرنا واجب ہے''۔ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن و سنت سے اس کی اطاعت واجب بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قران کریم میں فرمایا:

''**یأیها الذین امنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم**''

اے ایمان والو!اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب امر (حکمران یا اولی الامر) ہوں۔(۳۳)

اسی طرح نبی کریمﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا:

''اے معاذ ! ہر امیر کی اطاعت کرو۔ ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو، اور میرے اصحابؓ میں سے کسی کو برا نہ کہو''(۳۴)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہﷺ کے ان فرامین سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کتنی اہم اور ضروری ہے لیکن ساتھ یہ **سوال** بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اطاعت اولی الامر مطلق ہے یا مشروط؟ یا اطاعت اولی الامر کی اطاعت کس حد تک اور کن حالات میں لازم ہے؟ اس حوالے سے قرآن کریم کی اس آیت سے بخوبی دیکھا جا سکتا ہے کہ:

'' **و تعاونوا علی البر والتقوی و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان**''(۳۵)

اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔

مذکورہ بالا آیت میں عام حکم بیان کیا گیا ہے۔ خلیفہ سے (دوسرے افراد کی طرح) تعاون بھی صرف تقویٰ اور نیکی میں جائز ہے۔ اور جب وہ حدود شرع سے تجاوز کر رہا ہو تو اس سے تعاون بھی جائز نہیں اوراطاعت تعاون کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ اسی طرح قرآن و سنت میں والدین کی کتنی فضیلت آئی ہے یہاں تک کہ ان کو اف تک کہنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ معصیت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت سے روک دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''**وان جاھدٰک علی ان تشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهما و صاحبهما فی الدنیا معروفا واتبع سبیل من اناب الی**''

اور اگر وہ مجبور کریں تمہیں کہ تم میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرو۔ اور دنیاوی امور میں ان کا اچھی طرح ساتھ دو۔ اور اس راستے کی اتباع

کرو جو میری طرف مائل ہو''(۳۶)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان پر (امیر کا حکم) ماننا اور سننا فرض ہے۔ چاہے جی چاہے یا طبیعت رکے۔ بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہو تو نہ سننا جائز ہے نہ ماننا''(۳۷)

اسی طرح حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''گناہ کے کام (معصیت) میں کسی کی اطاعت درست نہیں۔ اطاعت صرف نیکی (معروف) میں ہونی چاہیے''۔ (۳۸)

رب کریم اور نبی کریم ﷺ کے ان فرامین سے بہت واضح ہے کہ معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ:

''عادل امام (حاکم) کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نا فرمانی کا حکم نہ دے یا خلاف شرع اس کا حکم نہ ہو۔ وہ عدل و انصاف سے کام لیتا ہو اور اس کے حکم پر عمل کر کے اجتماعی و انفرادی منفعت ہو تو رعیت پر اس کی اطاعت واجب و فرض ہے۔ اگر اولی الامر کا حکم خلاف شرع ہو تو اس کا سننا اور ماننا حرام ہے''۔ بلکہ ظالم حکمران کی مخالفت کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت ابی سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''افضل ترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے''(۳۹)

جز نمبر ۲، ۳ اور ۴ کی بحث سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ:

''ٹیکس/ضریبۃ اور عشور اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن میں سے ہیں اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں ضروریات کے تحت زکوٰۃ و صدقات کے ساتھ عائد کیے جاتے رہے ہیں۔ اسلامی ریاست کے حکمران کا فقراء و مساکین و محروم المعیشت افراد کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے اور ملکی دفاع و معاشی ترقی اور مذہب کی ترقی و ترویج کے لیے اغنیاء پر ٹیکس عائد کرنا جائز ہے۔ اور اگر اغنیاء اس ضرورت کے تحت عائد کیا گیا ٹیکس ادا نہیں کرتے تو وہ صرف مجرم ہی نہیں بلکہ گناہ گار بھی ہیں کیونکہ معروف (خلاف شرع نہ ہو) میں مسلمان پر اولی الامر کی اطاعت واجب و فرض قرار دی گئی ہے''۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ عائد کیا گیا ٹیکس فقراء کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے اور مذہبی، دفاعی اور رفاہی سرگرمیوں کے لیے عائدکیا گیا ہے۔ تو اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے چندمتقی و صالح افراد پر مشتمل ایک ادارہ قائم کیا جائے جو دیانتداری و ایمانداری سے اس بات کا جائزہ لے سکیں کہ آیا ٹیکس عائد کرنے کی شرعی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر شرعی ضرورت، یعنی فقراء کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں، ہو تو ٹیکس عائد کئے جانے چاہئیں ورنہ نہیں۔ اور اگر شرعی ضرورت کے تحت عائد کیے گئے ٹیکس اغنیاء و اہل ثروت ادا نہیں کرتے تو پھر وہ صرف حکومت کے مجرم ہی نہیں بلکہ گناہ گار بھی ہیں۔

۵۔ ایک شبہ کا ازالہ:

جب غیر اسلامی طاقتیں، یہود و نصاریٰ وغیرہ، عالم اسلام پر قابض ہوئیں تو انہوں نے ا سلامی نظام حیات کوختم کر کے اپنا نظام حیات رائج کر دیا اور اسلام کے اجتماعی مالی نظام کو منہدم کرنے کے لیے نظام زکوٰۃ کا خاتمہ کر دیا اور اپنے نظام تعلیم سے ایک ایسی نسل مسلمانوں میں سے ہی تیار کی جو اسلامی عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات سے دوچار اور اسلامی فرائض میں تذبذب کا شکار ہو گئی۔ اس لیے اگرچہ اسلامی ممالک سے مغربی سامراج رخصت ہو چکا ہے لیکن وہ اپنے پیچھے اپنی تیار کردہ وہ نسل چھوڑ گیا ہے جنھوں نے مغربی تہذیب میں ہی پرورش پائی اور اب یہ نسل مغربی سامراج کے تفویض کردہ فرائض سرانجام دے رہی ہے۔

موجودہ دور میں اغنیاء و اہل ثروت حضرات مختلف انواع کے ٹیکس (انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، ویلتھ ٹیکس اور سلیز ٹیکس) ادا کرتے ہیں اور ان کی مجموعی رقم مقدار زکوٰۃ سے بڑھ جاتی ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ مصارف ٹیکس بھی اکثر وہی ہیں جو مصارف زکوٰۃ ہیں۔ یعنی محروم المعیشت افراد کی مدد، بے روزگارروں کو روزگار کی فراہمی اور فقراء و مساکین کی تعلیم وصحت کی سہولتیں مفت فراہم کرنا وغیرہ۔ ٹیکس اور زکوٰۃ کے ان اوصاف اور مغربی سامراج کی تیار کردہ نام نہاد مسلمان نسل کے اسلامی عقائد و فرائض کے متعلق تذبذب اور شکوک و شبہات پیدا کرنے کے سبب آج کل اکثر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام ٹیکس ادا کرنے سے صاحب نصاب اہل ثروت زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستغنی ہو جاتے ہیں؟

اس کا جواب مطلق نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ ایک مذہبی فریضہ ہے جو شریعت نے فرض قرار دیا ہے اور اس کی مقدار و مصارف بھی شریعت نے مقرر کر دیے ہیں اور کوئی ان میں ردوبدل نہیں کرسکتا اور

زکوٰۃ ادا کرنے والا اسے عبادت سمجھ کرا دا کرتا ہے۔ جبکہ ٹیکس میں بالکل ایسا نہیں۔ مزید برآں، معاشرے میں فقراء، مساکین و محروم المعیشت افراد نہ بھی رہیں تو پھر بھی صاحب نصاب اغنیاء سے زکوٰۃ کا وجوب ساقط نہیں ہوتا اور وہ مکلّف رہتے ہیں جبکہ ٹیکس کے معاملے میں ایسا نہیں اگر ٹیکس فقراء و مساکین ا ور محروم المعیشت افراد کی بنیادی ضروریات پورا کرنے اور فلاحی و رفاہی سرگرمیوں کے لیے نہیں بلکہ حکومت و حکومتی اراکین کی عیش وعشرت کے لیے اور غیر فلاحی و غیر رفاہی سرگرمیوں کے لیے عائد کیا جائے تو اغنیاء و اہل ثروت پر اس کا شرعی وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ غیر مکلّف ہوجاتے ہیں۔

۶: حاصل بحث(Conclusion):

موجودہ دور میں ٹیکس چوری کا مسئلہ بہت عام ہے۔ اس مطالعہ میں قرآن و سنت و اجماع کی روشنی میں ٹیکس چوری کے مسئلہ کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ کیاٹیکس چوری (Tax Evasion) صرف ایک جرم ہے یا گناہ بھی؟

اسلامی ریاست ملکی ترقی و دفاع اور فقراء، مساکین و محروم المعیشت افراد، بلا امتیاز مذہب رنگ ونسل کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اسلام اخوت و بھائی چارگی پر زور دیتا ہے۔ اسلام دولت و وسائل کی ذخیرہ اندوزی کرنے اور چند ہاتھوں میں رکھنے کی مذمت کرتا ہے اور اس دولت اور وسائل کو گردش اور استعمال میں لانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام معاشرے کے تمام طبقات کے درمیان دولت کی منصفانہ اور مساویانہ تقسیم پر بھی زور دیتا ہے۔ انہی اسباب کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ اغنیاء و اہل ثروت کے فاضل اموال سے بقدر کفایت مال لے کر ان کے فقراء و مساکین اور محروم المعیشت افراد میں تقسیم کرو۔ یہ اموال اہل ثروت کے فاضل اموال میں سے زکوٰۃ و صدقات کے ساتھ ٹیکس عائد کر کے بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے لیے صالح ومتقی افراد پر مبنی ایک ادارہ قائم کیا جائے جو عدل و انصاف اور خلوص نیت سے اس بات کا جائزہ لے کہ کیا واقعی ٹیکس عائد کرنے کی شرعی ضرورت ہے اوریہ ٹیکس کتنی مقدار (بقدر کفایت) میں عائد کئے جانے چاہیں۔

قرآن و حدیث و اجماع کی روشنی میں ملکی ترقی اور محروم المعیشت افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اسلامی ریاست اغنیاء کے فاضل اموال پر ٹیکس عائد کرسکتی ہے۔ اور یہ ٹیکس حکومت اور ارکان حکومت کے عیش عشرت کے لیے نہ ہوں اور نہ ہی ان کاموں پر خرچ کئے جائیں جن کا رفاہ عامہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور یہ ٹیکس بقدر کفایت، عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کے مطابق

ہوں تاکہ لوگ خوشی و رضااور آسانی سے ادا کرسکیں اور ان پر ناقابل برداشت بھی نہ ہوں۔

اسی طرح قرآن و سنت کے مطابق اولی الامر کی اطاعت (معروف/نیکی میں نہ کہ خلاف شرع) رعیت پر واجب ہے۔ لہذا، جب اولی الامر ملکی ترقی اور فقراء و مساکین کی بنیادی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے عدل و انصاف کے ساتھ بقدر کفایت اغنیاء کے فاضل اموال پر زکوٰۃ و صدقات کے ساتھ ٹیکس عائد کرسکتا ہے جو کہ غیر شرعی بھی نہیں تو رعایا پر اولی الامر کا شرعاً جائز حکم سننا اور ماننا واجب ہے۔ اور یہاں پر حکم ٹیکس ادا کرنے کا ہے تو رعایا پر ٹیکس ادا کرنا واجب ہے۔ اور اگر وہ ٹیکس ادا نہیں کرتے اور ٹیکس چوری (Tax Evasian) کرتے ہیں تو وہ صرف اولی الامر کی حکم عدولی ہی نہیں بلکہ قرآن و سنت و اجماع کی بھی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ لہذا ٹیکس ادا نہ کرنا صرف جرم ہی نہیں بلکہ گناہ بھی ہے جس کا آخرت میں حساب ہونا ہے۔ لیکن **صرف اس وقت** جب یہ ٹیکس فقراء، مساکین و محروم المعیشت افراد کی بنیادی ضروریات زندگی پورا کرنے کے لیے ہوں۔ اگر یہ ٹیکس حکومت و حکومتی اراکین کی عیش وعشرت کے لیے ہوں یا عوام کی غیر رفاہی سرگرمیوں کے لیے ہوں تو پھر نہیں۔ بالواسطہ ٹیکس چونکہ فطرتاً تنزیلی (Regressive) خاصیت کے حامل ہوتے ہیں اور، عموماً، اشیاء ضروریات پر عائد کئے جاتے ہیں تو اس طرح غریب اور محروم المعیشت افراد، جو پہلے ہی بمشکل اپنی ضروریات پورا کر رہے ہوتے ہیں، کو بری طرح متأثر کرتے ہیں۔ اس لیے بلاواسطہ ٹیکس اغنیاء کے فاضل اموال، یعنی بچتوں اور ذخیرہ اندوزی (Savings and Hoardings) پر بقدر کفایت فقراء و رعایا کی رفاہیت کے لیے عائد کیے جانے چاہیں۔ اور جتنا جلد ممکن ہوغیر ملکی قرضوں اور اعانت پر انحصار کو صرف کم ہی نہیں بلکہ ختم کیا جانا چاہیئے۔

اسی طرح چند پاک باز، صالح اور متقی افراد، جن کی دین داری اور امانت داری پر مکمل اعتماد ہو، پر مبنی ایک ٹیکس و زکوٰۃ و صدقات احتساب کا ادارہ قائم کیا جائے جو ایک طرف تو ان ذرائع سے حاصل ہونے والی رقوم اور ان رقوم کی وصولیوں کے اداروں اور افسران کی مکمل آزادی سے جانچ پڑتال کر سکے اور یہ دیکھ سکے کہ ان اداروں اور افسران نے کس حد تک تحصیل زکوٰۃ ، صدقات اور ٹیکس کی مقررہ شرح اور اصول و ضوابط کو برقرار رکھا ہے۔ کسی نے ان مقررہ شرح اور اصول و ضوابط کی خلاف ورزی اور اپنی مقررہ حدود سے تجاوز تو نہیں کیا اور اس بات کی بھی جانچ پڑتال کرے کہ ان اداروں نے ان ذرائع سے جتنی رقوم وصول کی ہیں اتنی ہی مکمل/ساری رقوم مرکزی ریونیو بورڈ (CBR) اور وفاقی ریونیو بورڈ(FBR) میں جمع کرائی ہیں یا نہیں اور دوسری طرف یہ ٹیکس محتسب ادارہ ان زکوٰۃ و صدقات وٹیکس سے حاصل ہونے والی رقوم کے مصارف کی بھی جانچ پڑتال کرے

اور دیکھے کہ کیا یہ رقوم اپنے صحیح مصارف میں خرچ کی جا رہی ہیں یا نہیں، کہیں یہ رقوم حکومت اور ارکان حکومت کی عیش و عشرت میں تو نہیں اڑائی جا رہی ہیں۔ اور اگر کسی افسر کے متعلق قطعیت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے مقررہ شرح اور قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی اور مقررہ حدود سے تجاوز کیا ہے یا مکمل رقوم سی بی آر اور ایف بی آر میں جمع نہیں کرائیں یا ان رقوم کو صحیح مصارف پر خرچ نہیں کیا گیا تو پھر ان سے انتہائی سخت جواب طلبی کی جائے اور سخت سے سخت سزائیں دی جائیں جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہوں اور وہ ان حرکتوں سے باز رہیں۔ اس طرح کے اقدامات لینے سے ہی غیر ملکی قرضوں ، جن پر سود در سود ادا کرنا پڑتا ہے، سے نجات ممکن ہے۔ اور اس طرح مذہبی و ملکی سالمیت و بقا ہی نہیں بلکہ ترقی و خوشحالی ممکن ہے اور عوام کی رفاہیت و فلاح و بہبود اور معیار زندگی بہتر ہو گا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ بالواسطہ رجعی / رجعت پذیر ٹیکس(Regressive) وہ ہیں جو اشیاء کی مقدار خرید کے بڑھنے سے کم ہوتے ہیں

۲۔ Economic Survey, 2008-2009, Finance Division, Govt.of Pakistan.

۳۔ القرآن، ۱۴۱:۶

۴۔ القرآن، ۴۳:۲

۵۔ القرآن، ۱۹:۵۱

۶۔ القرآن، ۲۹:۹

۷۔ القرآن، ۴۱:۸

۸۔ القرآن، ۵۹: ۶

۹۔ ۲۰۰ درہم یا ۲۰ مثقال اور ایک درہم ۳ آنہ اور ۲۰ مثقال ۵ء۷ تولہ سونا کے برابر ہے۔

۱۰۔ یعنی سال میں صرف ایک مرتبہ۔

۱۱۔ مسلمانوں سے چالیسواں، ذمی سے بیسواں اور حربی سے دسواں حصہ عشور لیا جاتا۔

۱۲۔ مالدار/اغنیاء/ صاحب نصاب

۱۳۔ بنیادی ضروریات سے زائد مال۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیۃ ۲۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے"العفو" فرمایا ہے

۱۴۔ مصنف عبد الرزاق، الحافظ الکبیر أبی بکر عبد الرزاق بن ھمام الصنعانی (م ۲۱۱ھ)، الجزء السادس، ص ۹۷؛ و الجزء العاشر، ص ۳۳۵، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان۔ (۱۳۹۲ھ۔۱۹۷۲ء)

۱۵۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، للامام ابی بکر بن احمد بن حسین بن علی البیہقی (م۴۵۸ دوم)، کتاب قسم الصدقات، با بلا وقت فیما یعطیٰ الفقراء، الجزء العاشر، دارالفکر، بیروت، لبنان۔ (۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۶ء)

۱۶۔ مصنف ابن ابی شیبۃ فی الأحادیث والآثار للحافظ عبداللہ بن محمد ابن أبی شیبۃ (م۲۳۵ھ)، کتاب الزکاۃ، باب من قال تدفع الزکاۃ الی السلطان، الجزء الثالث، دارالفکر، بیروت، لبنان، صفحہ ۴۷(۱۴۰۴ھ۔۱۹۹۳ء)

۱۷۔ القرآن، ۴: ۱

۱۸۔ القرآن، ۵۹: ۱۸

۱۹۔ صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القشیری النیسا بوری (م ۲۶۱ھ)، کتاب الزکاۃ، باب الحث علیٰ الصدقۃ، حدیث ۱۰۱۷، الجزء الثالث، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ (۱۴۱۵ھ۔۱۹۹۵ء)

۲۰۔ المحلی للامام ابی محمد علی بن احمد بن سعد بن حزم (م ۴۵۶ھ)، جلد ۲، الجزء السادس، صفحہ ۱۵۶، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر۔ (۱۳۴۹ھ)

۲۱۔ القرآن، ۱۷: ۲۶

۲۲۔ المحلی للامام ابی محمد علی بن احمد بن سعد بن حزم (م ۴۵۶ھ)، جلد ۲، الجزء السادس، صفحہ ۱۵۶، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر۔ (۱۳۴۹ھ)

۲۳۔ الاعتصام للامام ابی اسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی، جلد ۲، الجزء الثانی، صفحہ ۳۵۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، (۱۴۰۸ھ ۔۱۹۸۸ء)

۲۴۔ کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم الامام ابی حنیفہ، مترجم: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، صفحہ ۴۲، ادارہ دانش و حکمت، کراچی۔

۲۵۔ کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم الامام ابی حنیفہ، مترجم: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، صفحہ ۴۲، ادارہ دانش و حکمت، کراچی۔

۲۶۔ القرآن، ۲: ۲۱۹

۲۷۔ ایسی قسمیں جو شرعاً قابل قبول اور واضح ہوں اور قسم کھانے والا (حلف اٹھانے والا) فرد ساقط الاعتبار نہ ہو۔

۲۸۔ کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم الامام ابی حنیفہ ، مترجم: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، صفحہ ۱۳۵، ادارہ دانش و حکمت، کراچی۔

۲۹۔ کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم الامام ابی حنیفہ، مترجم: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، صفحہ ۱۲۴، ادارہ دانش و حکمت، کراچی۔

۳۰۔ القرآن، ۵۱: ۱۹

۳۱۔ تدریجی/ افزائش/ ترقی پذیر/ متزائد (Progressive) ٹیکس وہ ہیں جن کی مقدار/ شرح میں آمدنی، جائیداد یا دولت کے بڑھنے سے اضافہ ہوتا ہے۔

۳۲۔ القرآن، ۲: ۳۰

۳۳۔ القرآن، ۴: ۵۹

۳۴۔ السنن الکبری للامام ابی بکر بن احمد بن حسین بن علی البیھقی (م۴۵۸ ھ) ، کتاب قتال اھل البغیٰ، باب اھل البغیٰ اذا غلبوا علی البلد، حدیث ۱۷۲۳۹، الجزء الثانی عشر، دارالفکر، بیروت، لبنان۔ (۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۶ء)

۳۵۔ القرآن، ۲:۵

۳۶۔ القرآن، ۳۱: ۱۵

۳۷۔ سنن الترمذی لابی عیسی محمد بن سورۃ (م ۲۹۷ھ)، ابواب الجھاد، باب لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق، حدیث ۱۷۰۷، الجزء الرابع، شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر۔ (۱۳۸۲ھ۔۱۹۶۲ء)

۳۸۔ صحیح البخاری لابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ) ، کتاب الاحکام، باب السمع و الطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ، حدیث۶۷۲۶، داراحیاء التراث العربی ،بیروت لبنان۔ (۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱ء)

۳۹۔ سنن ابی داؤد للامام ابی داؤد سلیمان ب Ñ °لاشعث بن اسحاق الازدی السجستانی (م ۲۷۵ھ)، کتاب الملاحم، باب الامر و النھی، حدیث ۴۳۴۴، دارالسلام، ریاض، سعودیہ۔ (۱۴۲۰ھ۔ ۱۹۹۹ء)

مآخذ

۱۔ تفسیرابن کثیر لعلامہ ابن کثیر، (اردو)، مترجم: علامہ محمد میمن جونا گڑھی، جلد اول، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، کراچی۔

۲۔ تفسیر روح البیان للامام اسماعیل حقی البروسی (م ۱۱۳۷ھ)، جلد الثانی، مکتبہ اسلامیہ ، کوئٹہ، (۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء)

۳۔ تفسیر مظہری لعلامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی(اردو) ، مترجم : علامہ سعید عبدالدائم الجلالی، جلد ۳، دارالاشاعت، کراچی ۔(۱۹۹۹ء)

۴۔ الجامع أحکام القرآن لأبی عبداللہ محمد بن أحمد الانصاری القرطبی، الجزء الأول و الجز الخامس، دارالکتاب العربی، طہران، ایران۔ (۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء)

۵۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن للامام ابی جعفر محمد بن جریر الطبر ی (م ۳۱۰ ھ)، المجلد الرابع، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، صفحہ۹۴ (۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۸ء)

۶۔ اسلام کا اقتصادی نظام، علامہ محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی(۱۹۸۴ء)، ادارۃ اسلامیات، لاہور۔

۷۔ اسلام کا سیاسی نظام، مولانا محمد اسحاق صدیقی (۱۹۹۷ء)، مکی دارالکتب، لاہور۔

۷۔ معیشت و اقتصا د کا اسلامی تصور، حکیم محمود احمد ظفر(۲۰۰۶ء)، ادارہ اسلامیات پبلشرز، لاہور

۸۔ اسلام او ر جدید معیشت و تجارت، جسٹس (ر) مفتی محمد تقی عثمانی (۲۰۰۱ ء)، ادارۃ المعارف، کراچی

۹۔ Mannan, M.A. (1986), Islamic Economics: Theory and Practice Practice, The Islamic Academy, Cambrdge.

۱۰۔ Rehman, Afzal-ur-(1990), Economic Doctrine of Islam, Islamic Publication (Pvt.) Lahore, Pakistan.

☆☆☆☆☆